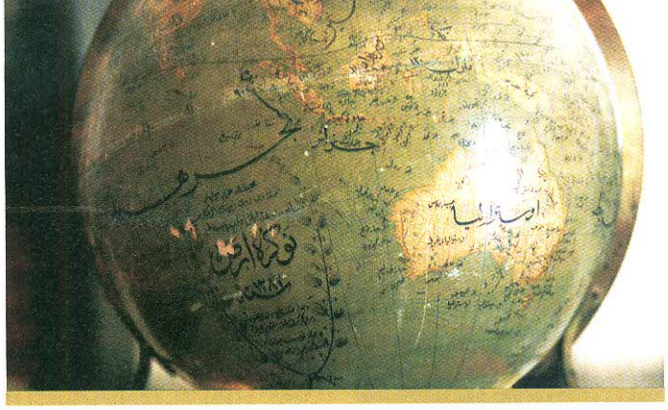

اسلام، مغرب
اور بین الاقوامی تعلقات کا مطالعہ

ڈاکٹر طاہر امین قائداعظم یونیورسٹی، اسلام آباد میں بین الاقوامی تعلقات کے اُستاد ہیں۔

سماجیات کے باب میں جن علوم کو بیسویں صدی میں بطور خاص فروغ حاصل ہوا، ان میں ایک علم بین الاقوامی تعلقات کا مطالعہ ہے۔ اقوام کے باہمی تعلقات ہمہ جہتی ہوتے ہیں اور انسانی تمدن کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ ان کی نوعیت بھی بدلتی رہتی ہے۔ قبائلی معاشرت سے لے کر قومی ریاست تک اور پھر قومی ریاست سے عالمگیریت تک انسان نے اجتماعیت کے حوالے سے جو سفر کیا، یہ علم اُس کا احاطہ کرتا ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں ڈاکٹر طاہر امین نے اُن نظریات کا ذکر کیا ہے، جن کے تحت آج مغرب میں اقوام کے باہمی تعلقات کو سمجھا جا رہا ہے۔ اس سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ مغرب کے اہلِ علم اسلام اور مغرب کے تعلقات کو کس زاویے سے دیکھ رہے ہیں۔

عالم اسلام اور مغرب کے باہمی تعلق کو سمجھنے کے لیے یہ بات پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ ان کے درمیان جہاں بہت سی اقدار مختلف ہیں وہاں بہت سی اقدار اور مفادات میں ہم آہنگی بھی ہے۔ سیموئیل ہنٹنگٹن کے ''تہذیبوں کے تصادم'' کے نظریہ کے برعکس یہ حقیقت ہے کہ موجودہ حالات میں دراصل ایک بین الاقوامی معاشرہ (Global Society) بن چکا ہے، جہاں لوگ اپنے تمام تر تضادات کے باوجود ایک پُرامن بقائے باہمی کے اصول پر ایک ساتھ رہنے پر مجبور ہیں۔ جب ہم عالم اسلام اور مغرب کی بات کرتے ہیں تو بالعموم ماضی کی تاریخ کے حوالہ سے اسلام اور مغرب کی طویل تاریخی کشمکش، صلیبی جنگوں کے تذکرہ سے شروع ہو کر مغرب کے موجودہ استعماری نظام تک اسی مفروضہ پر منتج ہوتی ہے کہ گویا اسلام اور مغرب میں ازل سے ایک تصادم جاری ہے جو ابد تک جاری رہے گا۔ میرے خیال میں یہ تاریخ کی ایک مسخ شدہ تصویر پیش کرنے کے مترادف ہے، جس سے نہ تو ماضی کی صحیح تاریخی تصویر سامنے آتی ہے، نہ حال کو سمجھا جا سکتا ہے اور نہ ہی مستقبل کے لیے کوئی قابل عمل حکمت عملی بنائی جا سکتی ہے۔

عالم اسلام اور مسلمانوں کو موجودہ مسائل سے نمٹنے کے لیے موجودہ عالمی نظام کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جب تک ہم موجودہ بین الاقوامی نظام کو نہیں سمجھیں گے، ہم صحیح راستہ کا تعین نہیں کر سکیں گے۔ مغربی علماء نے موجودہ عالمی نظام کے حوالے سے پانچ بڑے نظریات پیش کیے، جنہیں نہ صرف اپنے صحیح تناظر میں سمجھنے کی ضرورت ہے بلکہ یہ نظریہ اسلام کے بارے میں ان کے رویوں کے مظہر بھی ہیں۔ یہ نظریات درج ذیل ہیں:

تاریخ کا اختتام (End of History)

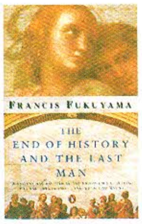

فرانسس فوکویاما نے ۱۹۸۵ء کے اوائل میں جب روس کا زوال شروع ہو چکا تھا، یہ نظریہ پیش کیا کہ مغرب کمیونزم سے جاری جنگ جیت چکا ہے۔ نظام سرمایہ داری کی فتح ہو چکی ہے اور مغربی جمہوریت اور سرمایہ دارانہ معیشت ہی دنیا کی آخری منزل ہیں، جس کے بعد کوئی ارتقا نہیں ہے۔ اس بنا پر کوئی مذہب اور کوئی نظریہ مغربی طرز فکر کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اسلام ایک خطرہ ہو سکتا ہے لیکن اس کی اپیل اور اثر دنیا کے ایک محدود حصہ میں ہے۔ اس لیے اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

تہذیبوں کا تصادم (Clash of Civilizations)

پروفیسر سیموئیل ہنٹنگٹن نے تاریخ کے اختتام کے نظریہ کو مسترد کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا کہ آئندہ آنے والی صدی تہذیبوں کے تصادم کی صدی ہوگی۔ اور تاریخ کا آغاز تو ایک طرح سے اب ہوا ہے۔ کمیونزم اور سرمایہ داری کی جنگ تو دراصل دو مغربی افکار کی جنگ تھی لیکن آنے والے دنوں میں چھ یا سات تہذیبیں آپس میں نبرد آزما ہوں گی اور عالمی نظام کا نقشہ بہت مختلف ہوگا۔ ہنٹنگٹن نے کنفیوشس تہذیب اور اسلام کو مغرب کے لیے سب سے بڑا ابھرتا ہوا خطرہ قرار دیا۔ اور یہ کہا کہ مغرب کو اپنا غلبہ برقرار رکھنے کے لیے ان خطرات سے نمٹنا ہوگا۔

مختلف طاقتوں کے اُبھرنے کا نظریہ (Multipolarity)

جان میر شائر نے یہ نظریہ پیش کیا کہ دنیا میں قوت اور طاقت کے کئی نئے مراکز ابھر رہے ہیں، جن میں امریکہ، روس، یورپ کے علاوہ چین، ہندوستان اور جاپان بھی قابل ذکر ہیں۔ عالمی نظام جو کہ امریکہ کے غلبہ کے تحت آئندہ مختلف طاقتوں کی باہمی کشمکش اور آویزش سے عبارت ہوگا اس میں عالم اسلام چونکہ ایک طاقت کے طور پر شریک نہیں ہے اس لیے اس کا کوئی خاص وزن نہیں ہوگا۔

باھمی رشتوں کا نظریہ (Complexion of Interdependence)

جوزف نے یہ نظریہ پیش کیا کہ موجودہ عالمی نظام نے مکڑی کے جالے کی طرح ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ سیاسی اور معاشی مفادات نے موجودہ ریاستوں کو آپس میں تعاون اور پرامن بقائے باہمی کی پالیسی پر مجبور کر رکھا ہے۔ اسلام بہرحال ایک خطرہ ہے لیکن باہمی رشتوں کے جال نے اس خطرہ کو محدود کیا ہوا ہے۔

آنے والے خلفشار کا نظریہ (Criminal Anarchy)

رابرٹ ڈی کیلانی نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ آنے والی دنیا شدید خلفشار کی دنیا ہوگی۔ ماحولیاتی مسائل، آبادی میں بے تحاشا اضافہ، پانی کی کمی، وسائل پر جنگ دنیا کو شدید انتشار کا شکار کر دیں گے۔ اس صورت حال میں اسلام ایک مثبت کردار ادا کر سکتا ہے، کیونکہ اسلام ایک مختلف نظریہ حیات ہے۔

مندرجہ بالا نظریات سے بین الاقوامی نظام کی جو تصویر ابھرتی ہے، اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مغرب ساری دنیا پر اپنا تسلط چاہتا ہے اور اس تسلط کو مختلف النوع اداروں کے ذریعہ مضبوط تر کرنا چاہتا ہے۔ اسلام کے بارے میں ایک خطرہ کا تصور پایا جاتا ہے اگرچہ بعض اہم علم اسے ایک پرامن اور مثبت قوت بھی خیال کرتے ہیں۔ اس صورت حال میں عالم اسلام کو سمجھنا چاہئے کہ مغرب کے تسلط کو کس طرح اسی کے طریقوں سے پرامن بقائے باہمی کے لیے مجبور کیا جا سکتا ہے۔

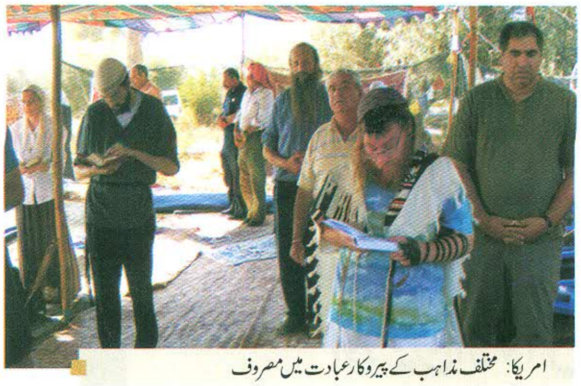

امریکا: مختلف مذاہب کے پیروکار عبادت میں مصروف

عالم اسلام کو جہاں مغرب کے ساتھ پرامن بقائے باہمی کے اصولوں پر روابط استوار کرنے کی ضرورت ہے، وہاں مغرب بنائے ہوئے عالمی نظام اور اس کی حکمت عملی کو سمجھنے کی بھی ضرورت ہے۔ عالم اسلام اور مسلمانوں کو اسی سطح کے ادارے بنانے ہوں گے جو مغرب کی قوت کے مظہر ہیں۔ یا انہی اداروں میں اپنے لیے اس طرح سے جگہ بنانی ہوگی کہ جہاں ہم اپنے مفادات کا تحفظ کر سکیں۔ عالم اسلام اس وقت ایک شدید فکری بحران کا شکار ہے۔ اسلامی تحریکیں نوجوان نسل میں اپنا اثر کھو بیٹھی ہیں۔ تشدد پسندی، انتہا پسندی اور دہشت گردی آہستہ آہستہ اس نسل کو غلط راستوں کی طرف لیے جا رہی ہیں۔ فکری رہنمائی مفقود ہے اور عالم اسلام ایک ایسے رستے کی طرف جا رہا ہے جو صریحا تباہی اور بربادی کا راستہ ہے۔ یہ صورت حال اس بات کی متقاضی ہے کہ عالم اسلام میں ایک نیا فکری انقلاب آئے جو انہیں باہم مربوط کرتے ہوئے، جہاں انہیں ایک واضح منزل کا راستہ دے وہاں ان کے اندر یہ اعتماد بھی پیدا کرے کہ وہ اس کے بین الاقوامی نظام میں اپنے تشخص کے ساتھ زندہ رہ سکتے ہیں اور ان کی صلاحیتیں منفی کاموں کے بجائے تعمیر ملت کے لیے صرف ہوں۔

اقبال اور مغرب

اکثر لوگ حکیم الامت کی منظوم اور نثری تحریروں کو الگ الگ پڑھتے ہیں اور مجموعی مطالعے کی سعی نہیں کرتے، اس لیے قارئین کے ہر طبقے کا ردعمل جزوی اور یک طرفہ ہوتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ فرنگ کی تلخ ترین تنقید، علامہ کی منظوم کتابوں میں ہے جن میں ان کا لہجہ تند و تیز بلکہ بعض اوقات بے حد احتجاجی اور تلخ ہو گیا ہے۔ اس کے بعد ان کے خطوط اور نثری مقالات آتے ہیں جن میں درشتی کم ہے مگر ہے ضرور اور آخر میں انگریزی خطبات آتے ہیں جن میں نقد و جرح تو ہے مگر استدلال کا توازن اور فکر کی گہرائی اور مغرب کے بڑے فلسفیوں کا اعتراف بھی ہے۔

فرنگ سے متعلق اقبال کی نقد و جرح کے بڑے میدان تین ہیں:

۱۔ مغربی سیاست

۲۔ مغربی معاشرت

۳۔ مغربی فکریات

دراصل پہلی دو صورتیں بھی مغربیوں کے تصورات و فکریات ہی کے علمی نتائج و آثار ہیں جن کی خارجی شکلیں ان کی سیاست اور معاشرت میں ظہور پذیر ہوئی ہے۔

(''مطالعہ اقبال کے چند نئے رُخ'' ڈاکٹر سید عبداللہ)